فقہ وافتاء کی مختصر تاریخ

ساحل سہسرامی (علیگ)

انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق وجستجو اور مفاہمت کے اسی سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) اِفتاء (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آرہی ہیں۔ قرآنِ حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآنِ کریم کی یہ آیت کریمہ:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ‎ o (النحل:۴۳)

(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں)۔

مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء ومرسلین، دعاۃ ومبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں سبھی رہنما فقیہ اور مفتی اور سارے متبعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عرفی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ وافتاء مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتاء فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زمخشری فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

"الفقیہ : العالم الذی یشق الاحکام و یفتش عن حقائقھا"۔

"فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔"

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور راجح اور

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہ اسلامی ہے ☆

مرجوح، مفتیٰ بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہٗ "ردالمحتار علی الدر المختار" میں تحریر فرماتے ہیں:

"المفتی ھو المجتھد فاما غیر المجتھد ممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفت والواجب علیه إذا سئل ان یذکر قول المجتھد کالامام علی وجھالحکایة فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتویٰ الموجودین لیس بفتویٰ بل ھو نقل کلام المفتی لیاخذ به المستفتی۔ (ردالمختار:۱/۴۷)

"مفتی مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حکایت بیان کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے۔"

اسی لئے لویس معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے:

"المفتی : الفقیه الذی یعطی الفتویٰ و یجیب عما ألقی علیه من مسائل المتعلقة بالشریعة"

"مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے۔" (المنجد، ص ۹۸)

عبقری فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ رسالہ مبارکہ "اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علیٰ قول الامام" (   ) میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"الرابعة : الفتویٰ حقیقیة وعرفیة. فالحقیقیة ھو الإفتاء عن

☆امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

معرفة الدليل التفصيلي واولئك الذين يقال لهم اصحاب الفتوىٰ ويقال "بهذا افتى الفقيه ابو جعفر والفقيه ابو الليث واضرابهما رحمهم الله تعالىٰ. والعرفية: اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقليدا له من دون تلك المعرفة كما يقال فتاوىٰ ابن نجيم والغزى والطورى والفتاوىٰ الخيرية وهلم تنزلا زمانا ورتبة الى الفتاوىٰ الرضوية جعلها الله تعالىٰ مرضية مُرضية. أمين"۔

''چوتھا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابوجعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان کے امثال نے۔ اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتا دے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ عزی، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنا دے۔ آمین!'' (الفتاویٰ الرضویۃ، مترجم، ۱/۱۰۹)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ اِفتاء کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزولِ قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہونا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ وصحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، در پیش آنے والے مسائل دریافت کرتے استفتاء اور افتاء کا یہ سب سے مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ و اِفتاء کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہوجاتا

فقہ وافتا کا دوسرا دور: (۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہاں رنگ و بو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہوگیا تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں تو عجمی تمدن نے نت نئے مسائل درآمد کئے۔ جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور والیان تفقہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الٰہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے جو بعد کی نسلوں کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے، حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حضرت ابوموسیٰ اشعری (م ۵۲ھ) حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (م ۵۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم اجمعین کے فقیہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

تیسرا دور: (۴۱ھ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصاغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق وغرب اور جنوب وشمال کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکی تھیں۔ تمدن کی وسعت، علم کی گرم بازاری، اورعرب وعجم کے اختلاط نے اجتہادی جذبوں میں بڑی تیز گامی پیدا کر دی تھی۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ بصرہ، شام، مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر صفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس وافادہ کی اپنی ایک الگ ہی دھوم تھی۔ چند اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر (م ۷۳ھ)۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)۔

۴۔ حضرت سعید بن مسیّب مخزومی (م ۹۴ھ)۔

۵۔ حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی (م ۹۴ھ)۔

۶۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن (م ۹۴ھ)۔

۷۔ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین (م ۹۴ھ)۔

۸۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر (م ۱۰۶ھ)۔

۹۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)۔

۱۰۔ حضرت سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔

۱۱۔ حضرت نافع (م ۱۱۷ھ)۔

۱۲۔ حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)۔

۱۳۔ حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ)۔

۱۴۔ حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۴۸ھ)۔

۱۵۔ حضرت ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ)۔

۱۷۔ حضرت مجاہد بن جبیر (م ۱۰۳ھ)۔

۱۸۔ حضرت عکرمہ ابن عباس (م ۱۰۷ھ) مکہ معظّمہ کے نامور فقیہ تھے۔

۱۹۔ حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ)۔

۲۰۔ حضرت مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ)۔

۲۱۔ حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی (م ۹۲ھ)۔

۲۲۔ حضرت اسود بن یزید نخعی (م ۹۵ھ)۔

۲۳۔ حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م ۹۵ھ)۔

۲۴۔ حضرت سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)۔

۲۵۔ حضرت عمرو بن شرحبیل (م ۱۰۴ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں دھوم تھی۔

۲۶۔ حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ)۔

۲۷۔ حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران (م ۹۰ھ)۔

۲۸۔ حضرت ابو الشعثاء جابر بن یزید (م ۹۳ھ)۔

۲۹۔ امام التعبیر والرویا حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ)۔

۳۰۔ حضرت قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۸ھ) کے جلوؤں سے بصرہ کی سرزمین جگمگا رہی تھی۔

۳۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری (م ۷۸ھ)۔

۳۲۔ حضرت ابوادریس خولانی (م ۸۰ھ)۔

۳۳۔ حضرت قبیصہ بن ذویب (م ۸۱ھ)۔

۳۴۔ حضرت رجاء بن حیوۃ کندی (م ۱۱۲ھ)۔

۳۵۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

۳۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (م ۶۵ھ)۔

۳۷۔ حضرت ابوالخیر مرشد بن عبداللہ (م ۹۰ھ)۔

۳۸۔ حضرت یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی ایوانوں میں اجالا کر رکھا تھا۔

۳۹۔ حضرت طاؤس بن کیسان جندی (م ۱۰۶ھ)۔

۴۰۔ حضرت وہب بن منبہ صنعانی (م ۱۱۴ھ)۔

۴۱۔ حضرت یحیٰی بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔

اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کر لی تھی۔ اس کثیر پھیلاؤ کی باضابطہ شیرازہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

چوتھا دور:

اس دور کا دائرہ دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذاتِ گرامی معجزۂ سرورِ کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس برگزیدہ تلامذہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شاندار تدوین فرمائی، جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرات محققین نے خوب فرمایا:

''فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کی کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک

علم وفن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے۔"

اس دور میں امام الائمہ، سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰۔ ۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳ھ۔ ۱۷۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰ھ۔ ۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ۔ ۲۴۱ھ)، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ)، بغداد میں امام ابو ثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبدالرحمٰن بن عمر دمشقی اوزاعی (۸۸ھ۔ ۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔ لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بقائے دوام نہ مل سکی۔

یہی وہ دور ہے جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذاہب پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی مباحثات کی روش عام ہوئی، یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ ان چاروں مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الٰہی، امام الائمہ، سراج الامۃ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، فکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق پوری امت کا دو تہائی حصہ حنفی ہے۔ (مرقات ۲/۲۴)۔ اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہِ الٰہی ہونے کی شہادت دی ہے۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفة

لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۹۸۶ھ) صاحب "مجمع البحار" "المغنی" میں بہت سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

فلو لم یکن لله سر خفی فیه لما جمع له شطر الاسلام او ما یقاربه

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی: امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

علیٰ تقلیده حتیٰ عبدالله بفقهه وعمل برائه الی یومنا ما یقارب اربع مائة وخمسین سنة وفیه دل دلیل علی صحته (المغنی، ص ۸۰)

''اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اِس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عنداللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔''

(تاریخ علم فقہ، مفتی سید عمیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دہلی، ص ۷۷)

فقہ حنفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہاء اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام بحر و بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یارا ہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسمائے گرامی ہی شمار کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرین فقہ نے حضرات فقہاء کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مجتہد فی الشرع/ مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔

۔ مجتہد فی المذہب/ مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

میں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذۂ امام اعظم قدست اسرارہم۔

۳۔ مجتہد فی المسائل/ مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کرسکتے ہوں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابوبکر خصاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابوجعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ)، امام ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ھ)، شمس الائمہ حلوانی (م ۴۵۶ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۲ھ)۔

۴۔ اصحابِ تخریج:

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد واستنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح، محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کرسکتے ہیں۔ حضرت امام ابوبکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۔ اصحابِ ترجیح:

یہ حضرات اصحابِ تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔

"ھذا اولی، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس" جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابوعبید) ☆☆☆

۶۔اصحابِ تمیز:

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحابِ متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

۷۔مقلد محض:

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔

حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔(۱) کتب اصول (۲) کتب نوادر (۳) کتب واقعات۔

۱۔کتب اصول:

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحابِ مذہب سے منقول ہیں۔حنفی ائمہ ثلثہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی ہیں۔ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ تلامذۂ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔لیکن عموماً ظاہر الروایۃ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے۔

(۱) مبسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامع کبیر (۴) سیر صغیر (۵) سیر کبیر (۶) زیادات۔یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں، ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط نہایت معتمد ہیں۔

۲۔کتب نوادر:

اس کے ذیل میں اصحابِ مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ

ہوں جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادۃ الزیادات (امالی امام محمد بروایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات۔ حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی، حضرت امام حسن بن زیادہ کی المحرر وغیرہا۔

۳۔ کتب واقعات:

ان میں وہ مسائل آتے ہیں جنہیں ائمہ ثلثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو جیسے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطفی، واقعات صدر الشہید۔ واقعات دراصل فتاویٰ یا قضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔ اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی مآخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں:

۱۔ اصول بزدوی۔ امام علی بن محمد بزدوی (م ۴۸۲ھ)۔

۲۔ المبسوط۔ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)۔

۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہا۔ ملک العلماء امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م ۵۸۷ھ)۔

۴۔ فتاویٰ قاضی خاں: امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م ۵۹۲ھ)۔

۵۔ الہدایۃ: امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ)۔

۶۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق: شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشباہ والنظائر (م ۹۷۰ھ)۔

۷۔ درمختار شرح تنویر الابصار: علامہ محمد علاء الدین بن علی حصکفی (م ۱۰۸۸ھ)۔

۸۔ ردالمحتار علی الدرالمختار: علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ)۔

۹۔ حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار: علامہ سید احمد طحطاوی (م ۱۳۰۲ھ)۔

۱۰۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح: علامہ سید احمد طحطاوی۔

۱۱۔ فتاویٰ عالمگیری: مفتی نظام الدین و علماء کا بورڈ۔

۱۲۔ العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (م۱۳۴۰ھ) قدست اسرارہم۔

متوسطین فقہاء نے کتب احناف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی (۱) متون (۲) شروح اور (۳) فتاویٰ۔ سب سے مقدم اور اہم متون ہیں پھر شروح پھر فتاویٰ۔ چند مستند متون، شروح اور فتاویٰ یہ ہیں:

مستند متون:

(۱) مختصر امام طحاوی (۲) مختصر امام کرخی (۳) مختصر امام قدوری (۴) کنزالدقائق (۵) وافی (۶) وقایہ (۷) نقایہ (۸) اصلاح (۹) مختار (۱۰) مجمع البحرین (۱۱) مواہب الرحمٰن (۱۲) ملتقیٰ۔

مستند شروح:

(۱) مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں (۲) کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) کی شرحیں (۳) مبسوط امام سرخسی (۴) بدائع الصنائع (۵) تبیین الحقائق (۶) فتح القدیر (۷) عنایہ (۸) بنایہ (۹) غایۃ البیان (۱۰) درایہ (۱۱) کفایہ (۱۲) نہایہ (۱۳) حلیہ (۱۴) غنیۃ (۱۵) البحرالرائق (۱۶) النہر الفائق (۱۷) درر احکام (۱۸) درمختار (۱۹) جامع المضمرات (۲۰) جوہرہ نیرہ (۲۱) ایضاح وغیرہ۔

امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۃ شرنبلالی، حواشی خیرالدین رملی، ردالمحتار، منحۃ الخالق، فتاویٰ خیریہ، العقود الدریہ للشامی، الفتاویٰ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ المجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج وہاج، شرح ملا مسکین کا شمار شروح میں نہیں۔

مستند فتاویٰ:

(۱) خانیہ (۲) خلاصہ (۳) بزازیہ (۴) خزانۃ المفتین (۵) جواہر الفتاویٰ (۶) محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں)۔ (۷) ذخیرہ (۸) واقعات ناطفی (۹) واقعات صدر الشہید (۱۰) نوازل

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

فقیہ (۱۱) مجموع النوازل (۱۲) ولوالجیہ (۱۳) ظہیریہ (۱۴) عمدۃ (۱۵) کبریٰ (۱۶) صغریٰ (۱۷) تتمۃ الفتاویٰ (۱۸) صیر فیہ (۱۹) فصول عمادی (۲۰) فصول استروشنی (۲۱) جامع صغار (۲۲) تاتار خانیہ (۲۳) ہندیہ/ فتاویٰ عالمگیری (۲۴) الاشباہ والنظائر (۲۵) منیہ وغیرہ۔

قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں۔ فتاویٰ طوری، فتاویٰ محقق ابن نجیم نا قابل اعتماد ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً۔ متفرق جلدیں)

اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر۔

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں۔ یونہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمۂ فتاویٰ مظہریہ، ص۵۲)۔ عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بناء پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے۔ اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جا سکے یا لائے گئے لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہوسکا۔ خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے تو پھر فتاویٰ اور قضایا جو وقتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہوسکی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی سیکڑوں اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور رہے بھی تو ان کی ترتیب واشاعت کی نوبت نہیں آتی۔ پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی بڑھتی گئی۔ تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی کا ہے ''کتاب النوازل''۔

۱۔ فتاویٰ ابی بکر	۲۔ فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)
۳۔ فتاویٰ ابن قطان	۴۔ فتاویٰ ابی اللیث۔
۵۔ فتاویٰ ابن الحداد (چوتھی صدی)	۶۔ فتاویٰ ابن الصباغ
۷۔ فتاویٰ اسبیجابی	۸۔ فتاویٰ خواہر زادہ
۹۔ فتاویٰ خجندی (پانچویں صدی)	۱۰۔ فتاویٰ تمرتاشی
۱۱۔ فتاویٰ حسام الدین	۱۲۔ فتاویٰ سراجیہ

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ہجری اور سن وفات ۲۰۴ہجری ہے ☆

۱۳۔ فتاویٰ ظہیریہ	۱۴۔ فتاویٰ قاضی خاں
۱۵۔ فتاویٰ کبریٰ	۱۶۔ فتاویٰ صغریٰ (چھٹی صدی)
۱۷۔ فتاویٰ ابن رزین	۱۸۔ فتاویٰ صوفیہ
۱۹۔ فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)	۲۰۔ فتاویٰ ابن عقیل
۲۱۔ فتاویٰ زرکشی	۲۲۔ فتاویٰ سبکی (آٹھویں صدی)
۲۳۔ فتاویٰ قاری الہدایۃ	۲۴۔ فتاویٰ حمادیہ
۲۵۔ فتاویٰ ابن شلبی	۲۶۔ فتاویٰ ابی السعود
۲۷۔ فتاویٰ زینیہ (دسویں صدی)	۲۸۔ الفتاویٰ الخیریۃ النفع البریۃ
۲۹۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	۳۰۔ فتاویٰ جامع البرکات
(تالیف ۱۲۳۸ھ)	۳۱۔ فتاویٰ نقشبندیہ۔

یہ معدودے چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کئے گئے۔

ہندوستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہندوستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کی قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہوچکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود سلاطین اسلام، اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس ذیل میں سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب تصنیف کی ''التفرید فی الفروع''۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہوسکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ (۲) فتاویٰ فیروز شاہی (۳) فتاویٰ ابراہیم شاہی (۴) فتاویٰ اکبر شاہی (۵) فتاویٰ عادل شاہی (۶) فتاویٰ تاتارخانی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

☆ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد ☆ اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہوگا ☆

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی، اس لئے بیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔ بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو نے قدم جمائے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اور اردو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں چند اہم مجموعہ ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

۱۔ العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (۱۳۱۰ھ)۔ عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (م ۱۳۴۰ھ)۔

۲۔ فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء)۔ علامہ ارشاد حسین رامپوری۔

۳۔ فتاویٰ محبوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ)۔ مولانا احمد حسین خان۔

۴۔ فتاویٰ امجدیہ۔ علامہ مفتی حکیم ابو العلام محمد امجد علی قادری رضوی۔

۵۔ فتاویٰ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی۔

۶۔ فتاویٰ قیام الملۃ والدین۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔

۷۔ فتاویٰ نعیمیہ۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی۔

۸۔ فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی رکن الدین۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

۹۔ فتاویٰ صدارت العالیہ۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن (۱۳۵۴ھ)۔

۱۰۔ فتاویٰ واحدی۔ علامہ عبدالواحد سیوستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ)۔

۱۱۔ فتاویٰ مسعودی۔ علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی۔

۱۲۔ مجموعہ فتاویٰ۔ مہر علی شاہ گولڑوی (قلمی)۔

۱۳۔ فتاویٰ ملک العلماء۔ ملک العلماء مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ وغیرہ۔

عمدہ لکھائی .... بہترین چھپائی
مسودہ دیجئے .... کتاب لیجئے
جمیل برادرز
ناظم آباد نمبر 2 کراچی